معاشرے میں خاندانی نظام کے بگاڑ کے اسباب:اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

Causes of deterioration of family system in society: An Analytical Study in the Light of Islamic Teachings

Farhana Hanif Qureshi
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, UOG, Gujrat (Hafiz Hayat Campus):
farhanahanif4@gmail.com

Dr. Muhammad Nawaz
Associate Professor, Department of Islamic Studies,UOG, Gujrat (Hafiz Hayat Campus):
dr.nawaz@uog.edu.pk

Abstract:

The role of the family system in the formation of human society is like the basic brick on which the great buildings of civilization and society are built, because the survival of the society is not only difficult but impossible without it. Now, if the above responsibilities are carried out according to Quranic teachings, then their fruits will also appear in the form of a peaceful and happy family. In the same way, domestic problems such as the problem of violence against women, the problem of women's employment and the problem of women's domestic service should be given special attention, so that they can also be solved in the light of the mentioned Islamic teachings.The family system is a basic institution of the society, the success and failure of which depends on the husband and wife. There is a need to reflect on the problems that are creating distortions within the family system, so that they can be solved in the light of Quranic teachings. The impact of technology and individualism can lead to less face-to-face communication and a focus on personal goals. High divorce rates, mobility, and mental health issues further strain family dynamics. Delayed marriages and media influence also play a role. It's essential to understand these factors to protect and strengthen the family system through targeted policies and support.The family system serves as the foundation of society, shaping individual's values and emotional development. However, societal changes have weakened traditional family structures. To address this, strengthening the family system is crucial. Cohesive families promote social stability, support children's development, enhance resilience during challenges, and improve overall health and well-being. They also preserve cultural traditions and have

positive long-term economic impacts, making it essential for policy makers and individuals to invest in initiatives that reinforce family support.A strong family system fosters social cohesion and stability while positively impacting individuals' well-being. Research shows that supportive families benefit children's cognitive and emotional development, contribute to better mental and physical health outcomes, and promote cultural preservation. Additionally, cohesive families lead to a more resilient and productive society. Recognizing the significance of family support, policymakers and communities must invest in strategies to strengthen family bonds for a healthier and harmonious society.

Keywords: Islam, Family, Society, Husband, Wife

اسلام میں خاندانی نظام کو بہت اہمیت اور فوقیت حاصل ہے کیونکہ یہ معاشرے کی بنیاد کا کام کرتا ہے۔ خاندان کو معاشرے کا سنگ بنیاد سمجھا جاتا ہے، اور اس کی ساخت قرآن کریم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخذ کردہ واضح ہدایات اور اصولوں پر مبنی ہے۔ اسلام میں خاندانی نظام کے بنیادی عناصر درج ذیل ہیں:

شادی:

اسلام میں ایک مرد اور عورت کے درمیان حلال اور پرعزم تعلقات ۲ قائم کرنے کے ذریعہ شادی کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ اسے میاں بیوی کے درمیان محبت، سکون اور صحبت حاصل کرنے کے طریقے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ ایسے ساتھی کی تلاش کریں جو ان کے عقیدے اور اقدار کا اشتراک کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ[1]

اور نکاح کروادو، بیوہ عورتوں کا، اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کا بھی۔ اگر وہ محتاج ہونگے تو اللہ تعالی انہیں غنی کر دے گا اپنے فضل سے اور اللہ تعالی بہت زیادہ وسعت والا، علم والا ہے۔

[1] النور ۳۲:۲۴

یک زوجگی:

اسلام یک زوجگی کو فروغ دیتا ہے، ایک مسلمان مرد کو ایک وقت میں صرف ایک بیوی رکھنے کی ہدایت دیتا ہے۔ تاہم، اسلام تعدد ازدواج کی اجازت بھی دیتا ہے، مخصوص شرائط کے تحت، جو مرد کو بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت دیتا ہے، لیکن تمام بیویوں کے ساتھ یکساں اور منصفانہ سلوک کرنے کی شرط کے ساتھ۔

کردار اور ذمہ داریاں:

اسلام خاندان کے ہر فرد کو مخصوص کردار اور ذمہ داریاں تفویض کرتا ہے۔ شوہروں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ خاندان کے لیے مہیا کریں اور ان کی حفاظت کریں، جب کہ بیویوں کو گھر کا انتظام سنبھالنے اور بچوں کی دیکھ بھال کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ تاہم، یہ کردار باہمی معاہدے اور حالات کی بنیاد پر لچکدار ہو سکتے ہیں۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ۔[2]
اور اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ یتیم عورتوں کے بارے میں عدل نہیں کر سکو گے۔ تو ان کے علاوہ جو خواتین تمہیں پسند ہوں، دو دو، تین تین اور چار چار ان سے نکاح کر سکتے ہو اور اگر اس بات کا ڈر ہو کہ سب بیویوں سے برابر سلوک نہیں کر سکو گے تو ایک ہی کافی ہے۔

إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدْ كَمُلَ نِصْفُ الدِّينِ، فَلْيَتَّقِ اللهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي[3]
جب بندہ نکاح کر لیتا ہے تو اس نے اپنا آدھا دین مکمل کر لیا، لہذا اپنے آدھے دین کے معاملے میں اللہ تعالی سے ڈر (تقویٰ) اختیار کرے۔[4]

---

[2] النساء ۴:۳

[3] البيهقي ، أحمد بن الحسين بن علي ، الخراساني، أبو بكر (م458هـ)، شعب الايمان، فصل فی الترغيب فی النكاح لما فيه من العون ، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند،ط١،١۴٢٣ هـ -٢٠٠٣ ء، رقم الحديث:٥١٠٠ص٧،٣۴٠

[4] الترمذی ،ابو عیسی محمد بن عیسی : جامع الترمذی ،دارالسلام ،الریاض ،البعة الاولی ،کتاب فضائل الجہاد ،١٦٥٥۔

ا

سی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ثَلاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللهِ عَوْنُهُمْ: الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الأَدَاءَ، وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ العَفَافَ۔[5]
تین بندوں کی مدد اللہ رب العزت نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، دوسرا وہ غلام جو طے شدہ رقم کی ادائیگی کرنا چاہتا ہے اور تیسرے وہ شخص جو پاکدامنی کی خاطر نکاح کرتا ہے۔

والدین اور بچے کا رشتہ: اسلام والدین کے ساتھ حسن سلوک، احترام اور محبت کا مظاہرہ کرنے کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ اولاد پر فرض ہے کہ وہ اپنے والدین کی اطاعت کریں اور بڑھاپے میں ان کا خیال رکھیں اور اولاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے والدین کے لیے دعائے خیر کیا کرے اس حوالے سے قرآن پاک میں بھی تاکید کی گئی ہے۔

وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا[6]

اور دعاء کرو! کہ اے میرے پروردگار! ان پر رحم فرما جیسے بچپن میں انہوں نے مجھے پالا۔

والدین، بدلے میں، اپنے بچوں کی جسمانی، جذباتی اور روحانی ضروریات کی والدین، بدلے میں، اپنے بچوں کی جسمانی، جذباتی اور روحانی ضروریات کی پرورش اور فراہمی کے ذمہ دار ہیں۔

بچوں کے حقوق: اسلام بچوں کو کچھ حقوق دیتا ہے، بشمول ان کی اچھی پرورش، تعلیم اور تحفظ فراہم کرنے کا حق۔ بچوں کے ساتھ جسمانی یا زبانی بدسلوکی سختی سے منع ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا"[7]

"اے اہل ایمان! خود کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔

توسیعی خاندان:

---

[5]رقم الحديث:٣٢١٨؛ الهيثمى، نور الدين على بن ابى بكر، مجمع الزوايد ومنبع الفوائد، تصوير دارالكتاب العربى بيروت، الطبعة الثالثه، ٢، ١٧

[6]الاسراء ١٧: ٢٤

[7]التحریم ٦٦: ٦

معاشرے میں خاندانی نظام کے بگاڑ کے اسباب: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

اسلام میں خاندانی تعلقات کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ مضبوط روابط برقرار رکھنا اور ایک دوسرے کا ساتھ دینا نیکی سمجھا جاتا ہے۔

طلاق:

جب کہ اسلام ایک آخری حربے کے طور پر طلاق کی اجازت دیتا ہے، لیکن اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور اسے صرف اس صورت میں جاری رکھنا چاہیے جب صلح کی کوششیں ختم ہو جائیں۔ اسلام طلاق کے لیے ایک منصفانہ رویہ اختیار کرنے کی رہنمائی فراہم کرتا ہے تاکہ میاں بیوی اور بچوں کے حقوق کی حفاظت کی جا سکے۔

وراثت:

اسلامی وراثت کے قوانین مفصل ہیں اور کسی شخص کی موت پر خاندان کے افراد کے درمیان اثاثوں کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بناتے ہیں۔ مجموعی طور پر اسلام میں خاندانی نظام محبت، شفقت، احترام اور باہمی تعاون کے اصولوں پر استوار ہے۔ اسے خاندانی اکائی اور اسلامی سماجی نظام کے اندر استحکام، ہم آہنگی، اور ذمہ داری کے احساس کو فروغ دینے کے لیے ترتیب دیا کیا گیا ہے۔

خانداای نظام کی خوبیاں

محققین نے خاندانی نظام کے کئی فوائد کی نشاندہی کی ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ خاندانی نظام ثقافتوں اور معاشروں میں وسیع پیمانے پر مختلف ہو سکتا ہے، اس لیے مخصوص سیاق وسباق کے لحاظ سے فوائد مختلف ہو سکتے ہیں۔ یہاں کچھ عام فوائد ہیں جن پر محققین نے روشنی ڈالی ہے:

صلہ رحمی کا فروغ:

خاندان جذباتی مدد اور تعلق کا احساس فراہم کرتے ہیں، جو تحفظ کے احساس کو فروغ دے سکتا ہے اور تناؤ کو کم کر سکتا ہے۔ خاندان کے افراد اکثر مضبوط بندھن بناتے ہیں اور خوشی، غم یا بحران کے وقت ایک دوسرے پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔

صلہ رحمی کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر توحید کے ساتھ قرابت داری کا لحاظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاعۡبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشۡرِكُوا بِهٖ شَيۡـًٔا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ[8]

اور اللہ کی عبادت کرو! اسکے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ بناؤ اور والدین، قرابت والوں، یتیموں، محتاجوں، رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرو۔

سماجی کاری اور اقدار:

خاندان افراد کو سماجی بنانے اور ثقافتی اصولوں، اقدار اور روایات کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ ایک شخص کے اخلاقی کمپاس کی تشکیل میں مدد کرتے ہیں اور معاشرے میں ان کے طرز عمل کی رہنمائی کرتے ہیں۔

دیکھ بھال اور پرورش:

خاندان دیکھ بھال اور پرورش کی پیشکش کرتے ہیں، خاص طور پر بچوں، بوڑھوں، یا ایسے اراکین کے معاملے میں جن کو صحت کے مسائل کا سامنا ہے۔ یہ معاونت کسی فرد کی فلاح و بہبود اور ترقی کو نمایاں طور پر متاثر کر سکتی ہے۔

اقتصادی استحکام:

معاشرے کی بہت سی ثقافتوں میں، خاندان وسائل جمع کرتے ہیں، اخراجات بانٹتے ہیں، اور مشکل وقت میں ایک دوسرے کی مالی مدد کرتے ہیں۔ یہ باہمی تعاون ایک اہم فائدہ ہو سکتا ہے، خاص طور پر معاشی مشکلات کے وقت۔

محنت کی تقسیم:

خاندانی نظام کے اندر، مختلف کردار اور ذمہ داریاں اراکین کے درمیان تقسیم کی جاتی ہیں، جس سے گھریلو کاموں اور کام کاج کے موثر انتظام کو ممکن بنایا جاتا ہے۔

بین المسالک معاونت:

خاندانی نظام اکثر مختلف نسلوں کے درمیان فرق کو ختم کرتے ہیں۔ خاندان کے بوڑھے افراد حکمت اور تجربہ کو ضائع کر سکتے ہیں، جبکہ نوجوان نسل اپنے بزرگوں کی مدد اور دیکھ بھال کر سکتی ہے۔

---

[8] النساء ۴:۳۶

سماجی استحکام:

مضبوط خاندانی بندھن معاشرے کے اندر برادری اور ہم آہنگی کے احساس کو فروغ دے کر سماجی استحکام میں حصہ ڈال سکتے ہیں۔ بچوں کی نشوونما: تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ مستحکم اور معاون خاندانی ماحول میں پرورش پانے والے بچوں کی جذباتی اور نفسیاتی نشوونما بہتر ہوتی ہے، جس سے زندگی کے مختلف شعبوں میں بہتر نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

لچک اور مقابلہ:

خاندان مشکل وقت کے دوران ایک معاون نظام کے طور پر کام کر سکتے ہیں، چیلنجوں کا سامنا کرنے والے افراد میں لچک کو فروغ دینے اور ان سے نمٹنے کے طریقہ کار کے طور پر کام کر سکتے ہیں۔

ثقافتی شناخت:

خاندانی نظام ثقافتی شناخت اور ورثے کو محفوظ رکھنے میں مدد کر سکتے ہیں، اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ روایات، زبان اور رسم ورواج نسل در نسل منتقل ہوتے ہیں۔ یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ تمام خاندانی نظام کامل نہیں ہیں، اور اس کے منفی پہلو بھی ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر دینی ومالی نقصان، نفسیاتی نقصان، معاشی و معاشرتی نقصان، غیر فعال خاندانی حرکیات، بدسلوکی، یا نظر اندازی کے خاندان کے افراد پر نقصان دہ اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ مزید بر آں، خاندانی نظام کے فوائد ثقافتی معیارات، سماجی اقتصادی حیثیت، اور انفرادی تجربات جیسے عوامل کی بنیاد پر مختلف ہو سکتے ہیں۔ محققین خاندانی نظام کی پیچیدگیوں اور افراد اور معاشروں پر ان کے اثرات کا مطالعہ اور سمجھنا جاری رکھے ہوئے ہیں۔

عصرِ حاضر میں خاندانی نظام کے بگاڑ کے اسباب

موجودہ دور میں خاندانی نظام کا بگاڑ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جو مختلف عوامل سے متاثر ہے۔ جدید تحقیق اور مشاہدات کے مطابق اس رجحان کی کئی وجوہات ہیں:

بدلتے ہوئے معاشرتی اصول:

جدید معاشروں نے خاندانی ڈھانچے کے حوالے سے ثقافتی اصولوں، اقدار اور رویوں میں نمایاں تبدیلیاں دیکھی ہیں۔ روایتی خاندانی کرداروں اور ذمہ داریوں کو چیلنج کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے خاندانی حرکیات کی نئی تعریف کی گئی ہے۔

معاشی دباؤ:

معاشی عوامل، جیسے زندگی، رہائش اور تعلیم کے بڑھتے ہوئے اخراجات نے خاندانوں پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا ہے۔ دوہری آمدنی والے خاندان اور مالی تناؤ خاندانی تعلقات اور مدد کے لیے کم وقت اور توانائی کا باعث بن سکتے ہیں۔

تکنیکی اثرات:

ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی نے لوگوں کے خاندانوں میں بات چیت کرنے کے طریقے کو بدل دیا ہے۔ اسکرین ٹائم میں اضافہ، سوشل میڈیا، اور آن لائن تفریح آمنے سامنے کمیونی کیشن اور باہمی روابط کو کم کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔

انفرادیت اور خود پرستی:

جدید معاشروں میں انفرادیت کے پھیلاؤ نے اجتماعی خاندانی اہداف پر ذاتی تکمیل اور خواہشات پر زور دیا ہے۔ اس سے خاندانی ہم آہنگی میں کمی اور انفرادی مفادات پر توجہ مرکوز ہو سکتی ہے۔

طلاق کی بلند شرح:

گزشتہ برسوں کے دوران طلاق کی شرح میں اضافہ ہوا ہے، جس کے نتیجے میں واحد والدین والے گھرانوں اور مخلوط خاندانوں میں اضافہ ہوا ہے۔ شادیوں کے ٹوٹنے سے بچوں اور خاندانی استحکام پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

نقل و حرکت اور عالمگیریت:

بڑھتی ہوئی نقل و حرکت اور عالمگیریت کی وجہ سے خاندان جغرافیائی طور پر زیادہ منتشر ہیں۔ یہ جسمانی فاصلہ روایتی امدادی نظام کو کمزور کر سکتا ہے جو ایک بار فراہم کیے جانے والے خاندانوں کو بڑھا دیتے ہیں۔ کام کی زندگی میں عدم توازن: جدید ملازمتوں کی متقاضی نوعیت اکثر افراد کو خاندانی زندگی کے لیے محدود وقت اور پیاروں کے ساتھ معیاری وقت کے ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔

دماغی صحت کے مسائل:

ذہنی صحت کے مسائل جیسے تناؤ، اضطراب اور افسردگی کا پھیلاؤ خاندانی حرکیات اور تعلقات کو متاثر کر سکتا ہے۔ تاخیر سے شادیاں اور بچے کی پیدائش: بہت سے لوگ تعلیم اور کیریئر کے اہداف کے حصول کے لیے شادی اور بچے کی پیدائش میں تاخیر کا انتخاب کر رہے ہیں، جو روایتی خاندانی ڈھانچے اور حرکیات کو متاثر کر سکتے ہیں۔

میڈیا، سوشل میڈیا اور تفریح کا اثر:

خاندانی زندگی کی میڈیا کی تصویر کشی تاثرات اور توقعات کو متاثر کر سکتی ہے، جس سے غیر حقیقی معیارات اور کسی کی اپنی خاندانی صورت حال سے ممکنہ عدم اطمینان ہو سکتا ہے۔

مؤثر مواصلات کی کمی:

سماجی روابط میں بے احتیاطی، خاندانوں میں مواصلات کی کمزور مہارت غلط فہمیوں، تنازعات اور جذباتی تعلقات کو کم کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ خاندانی نظام کا بگاڑ آفاقی نہیں ہے، اور مختلف معاشروں کو مختلف درجات تک ان چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ مزید بر آں، ابھی بھی بہت سے ایسے خاندان ہیں جو جدید دور کے بدلتے ہوئے منظر نامے کے باوجود پروان چڑھتے ہیں اور مضبوط رشتوں کو برقرار رکھتے ہیں۔ ان عوامل کو سمجھنے سے پالیسی سازوں، محققین اور خاندانوں کو خود خاندانی نظام کے تحفظ اور مضبوطی کے لیے کام کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

جدید نظام ہائے تعلیم:

ہمارے معاشرے میں ہر طرح کی برائیاں ہمارے مردوں اور عورتوں کو دینی تعلیم حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ہیں ۔اصل عنوان یہی ہے کہ عورت کو اگر دین و دنیا کی مکمل تعلیم دی جائے تو وہ یقینا نہ خود مظالم کا شکار بنےنہ کسی پر ظلم ڈھائے ۔حقیقت یہی ہے کہ تعلیم ہی ایک ہتھیار ہے جو انسان میں خود شناسی اور خود اعتمادی پیدا کر کے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے جرات مند بنادیتا ہے ۔دوسری طرف اپنے فرائض کا شعور دیکر دوسروں کی حق تلفی کرنے سے بھی روکتا ہے اور یقینا یہ دینی و اسلامی تعلیم ہی ہے جو انسان کو ہر قسم کی خود اعتمادی فراہم کرتی ہے ۔اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے جری بناتی

ہے۔دوسری طرف اس طرح کی خدا خوفی پیدا کرتی ہے کہ انسان اپنے رب کی رضا کے لئے اور اپنی نجات کے لئے دوسروں کے حقوق ادا کرنے پر آمادہ و مستعد نظر آتا ہے ۔ سزا و جزا کا پختہ یقین جو انسان کو ہر قسم کے ظلم اور برائی سے روک دے ،صرف اور صرف دینی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے ۔لہٰذا ہر انسان کو بالخصوص خواتین کو چاہیئے کہ وہ دنیا اور آخرت کی خیر وعافیت کے لیے دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی و شریعی تعلیم بھی حاصل کرے۔

ادھوری تعلیم :

اسوقت ہمارے معاشرے میں ایک المیہ بہت تیزی سے سرخروہورہاہے ، وہ یہ ہے کہ تعلیم کو دینی اور دنیاوی دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ۔جو لوگ عصری سکولوں،کالجوں سے تعلیم حاصل کرکے نکلتے ہیں وہ دین سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں ،دوسری قسم کی تعلیم سے مراد وہ تعلیم ہے جوایسے دینی مدارس سے حاصل ہورہی ہے جو اپنے مسلک کی تعلیم تو دیتے ہیں مگر رائج الوقت مسائل سے بالکل بے بہرہ رکھتے ہیں ۔ اس وقت وطن عزیزمیں بمشکل لاکھ میں ایک آدمی ہوگا جو دین و دنیا کے علوم سے بیک وقت صحیح طور پر آگاہی رکھتا ہو۔ جبکہ دین اسلام تو دین و دنیا کی رہنمائی کرنے والا ہے ۔ گویا ہماری تعلیم جو بھی ہے وہ ادھوری ہے۔ رائج الوقت عصری تعلیم گاہوں کا تو یہ حال ہے کہ یہاں مسلمان داخل کیاجاتا ہے،مگر جب وہ فارغ التحصیل ہوکر نکلتاہے تو وہ دین بیزار اور ملحدین چکا ہوتا ہے۔

تعلیم شریعت :

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس وقت ایسے تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں جو بیک وقت دینی اور عصری تعلیم فراہم کریں ۔مثلا طلبہ اور طالبات کے لئے الگ الگ شریعت سکول و کالج قائم کئے جائیں ۔ جن میں تعلیم کا آغاز تو قرآن پاک اور دین کے بنیادی لوازم سے ہو۔

ساتھ ساتھ اردو نوشت و خاند اور بنیادی حساب بھی کروایا جائے اور پھر درجہ بہ درجہ دین اور دنیا کی تعلیم بیک وقت دی جائے ۔ میٹرک تک تعلیم پانے والے کو قرآن پاک کا ترجمہ ، روز مرہ زندگی میں رہنمائی کرنے والی حدیث اور فقہ کی ضروری تعلیم دی جائے ۔ میٹرک سے آگے جانے والے کو اسلامی علم و ادب یعنی قرآن مجید کی تفسیر سے مکمل آگاہی ہو پوسٹ گریجویشن تک پہنچنے والے کو مذاہب عالم اور اسلامی علوم کا تقابلی مطالعہ کروایاجائے ۔ کسی مضمون میں ایم۔اے یا پی۔ایچ ڈی کرنے کے لئے کسی

ایک مضمون کا انتخاب کرنے کے بجائے وہ لازمی مضمون ہوں ،ایک تو اسلامیات کا اور دوسرا اپنا پسندیدہ مضمون ۔الغرض قرآن کا اور سنت کا گہرا شعور دینا اور زندگی کا محور اور مرکز سیرت طیبہ کو بنانا لازمی ہونا چاہئے ۔

مطلوبہ مقاصد کے حصول میں کوتاہی :

مطلوبہ مقصد یہ ہے کہ ہر طالب علم کو دین اور دنیا کا ضروری علم ہونا چاہیے، امید ہے کہ انشاء اللہ اسی طرح مثالی معاشرہ وجود میں آئے گا ۔جس میں کمزور پر مظالم خصوصا عورت پر اور دیگر معاشرتی جرائم کا خاتمہ ہوسکے گا ۔حکومت کو بھی اس طرح کے شریعت سکول اور شریعت کالج قائم کرنے چاہئیں اور نجی شعبہ کو بھی آگے بڑھ کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالنا چاہئے۔ہمارے ہر بچے کے قلب و ذہن میں یہ بات راسخ ہونی چاہئے کہ اسلام ہی مکمل اور صحیح ترین شکل میں جدید دور کے سائنسی اور تمدنی تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے ۔یہی دین انسان کو مکمل رہنمائی فراہم کرسکتا ہے۔ باقی سارے مذاہب اور نظریے دم توڑ چکے ہیں ۔ ان کے لیے دور حاضر کی پیچیدگیوں اور فکر و نظر کی تاریکیوں میں راستہ بنانا نا ممکن ہوچکا ہے۔

جملہ اقوام عالم کے عروج و زوال کے احوال میں یہ بات یکساں ہے کہ جب عورت اپنے محترم مقام پر فائز ہوئی اور اس نے اپنے فطری فرائض ذمہ داری سے ادا کئے تو کسی اور کوشش کے بغیر زندگی کے تمام شعبوں کے لئے معاشرے کو مہذب، قابل اور محنتی افراد میسر آئے اور خوشحالی اور خوش بختی کے باب کھلتے چلے گئے ۔ اور یہ سب کچھ تب ہوسکتا ہے جب ہر مرد اور ہر عورت دینی و دنیاوی تعلیم سے آراستہ ہو ۔عورت کا احترام سے محروم ہونا اور اولاد کا ماں کی محبت اور توجہ سے محروم ہونا کسی معاشرہ کی نہایت ابتر حالت ہے ۔جب گھر والی ہی گھر میں نہ رہے بلکہ کمانے کے لئے نکل کھڑی ہو تو گھر میں جو بد نظمی ،بد سلیقگی ہوگی اس سے زندگی کی اعلی قدریں قدم قدم پر پامال ہونے لگتی ہیں۔ امن و سکون عنقا اور عدل و انصاف نایاب ہو جاتا ہے۔ لہذا عورت کو اس کا صحیح احترام ملنا بھی نتیجہ ہوتا ہے صحیح دینی و تعلیمی نظام اور درست انداز فکر کا۔

خواتین کے لئے نظام تعلیم :

ان شریعت سکولز اور شریعت کالجوں میں ابتدائی مرحلہ میں طلبہ و طالبات کی تعلیم یکساں ہوسکتی ہے ،لیکن ثانوی مرحلہ سے عورتوں کے لئے خصوصی مضامین اور کورسز کا اہتمام بھی کیا جانا چاہیئے ۔ثانوی کے بعد کے مرحلہ میں ایسے اداروں کا جال بچھا دیا جائے جہاں تربیت پاکر وہ ملازمت کرنے کی پابند نہ ہو ں،بلکہ گھر میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں اور اسے ان کی تعلیم و تربیت میں سرمایہ کاری کا مفید نتیجہ سمجھا جائے ۔

ان نصابات میں لازمی طور پر عورت کی شخصیت ، نفسیات اور اس کے فطری فرائض کو پیش نظر رکھا جانا چاہئے ۔مثلا

1۔ خواتین کا منصب اور ان کے حقوق و فرائض

2۔ دائرہ زوجیت اور فریضہ امومت کے متعلق اسلامی حکمت عملی

3۔ خواتین کی عہد نبوی سے لے کر دور حاضر تک ایمانی ،اخلاقی ،عملی وفکری ،ملی ،رفاہی ،تعلیمی و تصنیفی خدمات اور کارہائے نمایاں

4۔ ترقی نسواں اور مساوات مرد وزن کے نظریہ کا تنقیدی جائزہ

5۔ پردے کے موضوع پر عقلی تجربات اور مشاہدے کی روشنی میں دینی احکام کی حکمت و مصلحت

6۔ خانگی امور مثلا ابتدائی طبی معلومات ،گھریلو معاشیات ،سلائی کڑھائی وغیرہ

خواتین کے لئے یہ نظام تعلیم مغرب کے دیئے گئے نظریہ فکر کے بالکل برعکس ہے۔جہاں ابتداء سے لیکر انتہا تک کسی مرحلے پر بھی مرد و عورت میں فرق نہیں کیا جاتا ۔

غیر مخلوط تعلیم :

خواتین کے لئے یہ تعلیم شروع سے لیکر آخر تک طلبہ سے بالکل الگ اور غیر مخلوط ہونی چاہئے۔ خواتین کی علمی ، فکری اور عملی صلاحیتیں مخلوط تعلیم کی بناء پر درست انداز میں نشوونما نہیں پاسکتی ۔

دیگر کثیر مفاسد کے علاوہ تعلیمی نقطہ نظر سے بھی مخلوط تعلیم خواتین کی حصول تعلیم کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔اس لیے خواتین یونیورسٹیوں کا قیام بھی از بس ضروری ہے۔

تعلیمی نظام اور نصاب :

تعلیمی نظام اور نصاب کو دیکھا جائے تو اس میں بھی خاندان کے ادارہ کی دینی و سماجی تناظر میں اہمیت و افادیت اور اس کے قیام و تحفظ کے لیے مطلوبہ رہنمائی نہیں ملتی ۔نتیجتا تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی انسانی زندگی کے اہم ترین رشتوں کے احترام اور انہیں مضبوط تر بنانے کے حوالے سے سماجی اور نفسیاتی عوامل کا گہرا شعور نہیں ہوتا ۔دوسری جانب ایسے نجی تعلیمی ادارے بھی موجود ہیں جہاں غیر ملکی نصابی کتب اپنے مخصوص تہذیبی پس منظر کے ساتھ رائج ہیں ،جو معاشرت اور خاندانی تعلقات کی یکسر مختلف تصویر پیش کرتی ہیں۔

مسجد اور مذہبی قیادت کا کردار :

مسلمانوں کے کسی بھی معاشرے میں انسانی رویوں کی اساس میں مسجد اور مذہبی قیادت کا کردار مسلمہ ہے ،تاہم خاندان کے حوالہ سے مسجد کے ادارے کا حال بھی دیگر اداروں سے مختلف نہیں ہے۔ فی الوقت مسجد کو معاشرتی اور سماجی رہنمائی کے ایک مرکز کے بجائے محض نماز کی ادائیگی ،قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم اور چند دیگر عبادات تک محدود کر دیا گیا ہے ۔افسوس ناک بات یہ ہے کہ ان مواقعوں پر بھی عام طور پر خواتین اور چھوٹے بچے تعلیم و تربیت سے محروم رہ جاتے ہیں ۔ علاوہ ازیں علماء کے خطبات میں بھی خاندان اور خواتین کے مسائل کو بالعموم نظر انداز کر دیا جاتا ہے بلکہ بعض صورتوں میں تو اس حوالے سے ان کی ایک ایسی غیر متوازن تصویر پیش کی جاتی ہے جو خود اسلامی تعلیمات سے بھی مطابقت نہیں رکھتی ۔

سماجی خدمت کے اداروں کا کردار:

پروفیسر ثریا بتول علوی اپنی کتاب ''جدید تحریک نسواں'' میں بیان کرتی ہے کہ سماجی خدمت کا شعبہ مسلمان معاشرے میں ہمیشہ سے ایک اہم ادارہ رہا ہے ۔پاکستانی معاشرے میں اس وقت یہ ادارہ دو بالکل علیحدہ علیحدہ دائروں میں تقسیم ہے۔ایک جانب دینی فکر رکھنے والے روایتی حلقے ہیں جن کی خدمت کا دائرہ دینی

تعلیم ، مساجد و مدارس کی تعمیر اور اس نوعیت کے دوسرے کاموں کے انتظام تک محدود ہے اور روز مرہ سماجی و معاشرتی مسائل بالعموم ان کا موضوع نہیں ہیں ۔دوسری جانب جدید تعلیم یافتہ اور مغربی معاشرت سے متاثرہ افراد اور اداروں نے سماجی خدمت کی اپنی تنظیمیں (NGOs) بنا رکھی ہیں ۔ ان تنظیموں کو مقامی وسائل کے علاوہ اکثر اوقات غیر ملکی اداروں سے بھی امداد حاصل ہوتی ہے ۔ ایسے افراد اور ادارے سماجی مسائل میں بہت زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں ۔ان تنظیموں کی مخصوص سرگرمیوں کی وجہ سے مرد اور عورت کے درمیان حقوق و اختیارات کی جنگ کا ایک ایسا ماحول پیدا ہورہا ہے جس سے یقینا خاندان کا ادارہ عدم استحکام کا شکار ہوسکتا ہے ۔انسانی حقوق کے حوالہ سے ان کا سارا زور فرد پر ہوتا ہے۔،جبکہ خاندان کے ادارے کے استحکام کا انحصار افراد کی باہمی ذمہ داریوں اور حقوق کے درمیان ایک توازن پر ہے ۔اس تناظر میں سماجی خدمت کے پیش تر ادارے اور تنظیمیں بھی خاندانی نظام کو غیر مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

قوانین اور ان کا نفاذ :

پاکستانی معاشرہ میں انتظام و نگرانی کی کمزوری ہر سطح پر بے شمار مسائل پیدا کرنے کا ذریعہ بن چکی ہے ۔اس صورت حال نے ہر ادارے کو ٹوٹ پھوٹ کا شکار بنادیا ہے ۔خاندان کے دائرے سے متعلق بعض قوانین اصلاح طلب ہیں ،لیکن زیادہ بڑا مسئلہ قانون پر عمل درآمد ہے اور اس حوالے سے صورت حال خراب سے خراب تر ہوتی جارہی ہے۔

علوی،پروفیسر ثریابتول،جدید تحریک نسواں اور اسلام،،منشورات،لاہور

خاندانی نظام:

مذکورہ بالا اداروں میں خرابیوں کے باوجود اگر اب بھی ملک میں خاندان کے ادارہ کو کسی قدر استحکام حاصل ہے تو یہ اس ادارہ کے اپنے داخلی نظام کی وجہ سے ہے اور اس میں "ماں "کا اہم کردار ہے۔اپنے مخصوص مقام اور اہمیت کی وجہ سے ایک ماں اپنے بچوں کے رویہ وعادات پر مسلسل اثر انداز ہوتی رہتی ہے۔یوں خاندانی نظام کے بر قرار رہنے اور مستحکم کرنے میں خود اس ادارے کا اپنا بڑا ہاتھ ہے، تاہم اسی نظام میں خواتین کے حقوق اور کردار کے حوالے

سے بعض ایسی روایات بھی داخل ہو چکی ہیں جو نہ اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہیں اور نہ ہی خاندان کے ادارہ کے مجموعی مقاصد سے ہم آہنگ۔

گھریلو ذمہ داریوں کے بارے میں غیر سنجیدگی :

شوہر کی جانب سے بیوی کی گھریلو ذمہ داریوں اور خدمات کا اعتراف نہ کرنا اوراسے غیر اہم تصور کرنا، یا بیوی کی طرف سے شوہر کے حقوق سے اغماض برتنا باہمی دوری اور رنجش پیدا کرتا ہے۔شوہر کی جانب سے خانگی امور اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں حصہ نہ لینا اور صرف معاشی کفالت کو ہی بنیادی ذمہ داری تصور کرنا خاندان اور خانگی زندگی میں مسائل کو جنم دیتا ہے۔

گھریلو تشدد اور حل :

آج کل گھریلو تشدد کے مسئلہ نے بڑی سنگین صورتحال اختیار کر لی ہے کیونکہ شوہر نے جب سے لفظ قوام کا غلط مطلب سمجھنا شروع کیا یعنی جب سے وہ اپنے آپ کو گھر کا حاکم اور طاقتور شمار کرنے لگا، تب سے اپنے گھر والوں پر ظلم و ستم بڑھانا شروع کردیے ،اس طرح کی سوچ رکھنے والے لوگوں کی خواتین جسمانی طور پر طرح طرح کی اذیتیں اور تکالیف کا شکار ہوتی ہیں ؛ نفسیاتی طور پر بھی انہیں ٹارچر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ شوہر نے اپنے آپ کو ڈکٹیٹر سمجھا ہے جیسا کہ "Women in Islam" میں ہے:

The husband assumes the role of ruler, superior, controller, oppressor and master, while the wife on the other hand, is reduced to a slave, a captive, a low, inferior and submissive creature.[9]

البتہ یہ جو کچھ ہمارے معاشرے میں ہورہا ہے یہ شریعت مطہرہ سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہو رہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے ۔

لا يجلِدُ أحَدُكم امرأتَه جَلْدَ العَبدِ، ثمَّ يجامِعُها في آخِرِ اليومِ[10]

---

[9] Women in Island volume 2 by Naseem Ahmed, New Dehli: A.P.H.2011, 529

[10] البخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ البخاری، ابو عبد اللہ، الجامع الصحیح البخاری، دار طوق النجاۃ، الاولی ۱۴۲۲ھ حدیث نمبر؛ ۴۹۴۲، جلد ۶، ۱۶۹

تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارے جیسے اپنے غلام کو مارتا ہے۔ پھر اسی عورت سے جنسی خواہشات بھی پوری کرتا ہے ۔

اور واقعی یہ غیر اخلاقی بات ہے جس سے بیوی پر تشدد کی ممانعت واضح طور معلوم ہوتی ہے ۔ دوسری روایت میں بھی رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ" تم اللہ تعالی کی باندیوں (اپنی بیویوں)کو نہ مارو چنانچہ ارشاد گرامی ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ » :لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللهِ «[11]

اس روایت سے بھی بیوی پر تشدد کی ممانعت واضح ہے کیونکہ مذکورہ روایت میں نبی رحمت ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کو منع فرمایا ہے ۔البتہ اگر شوہر واقعتا یہ محسوس کرے کہ اس میں بعض باتیں ایسی ہیں جو ناقابل برداشت ہے تو ایسی حالت میں عورت کی اصلاح بھی ضروری ہے کیونکہ شوہر نگران اور منتظم ہونے کی وجہ سے اس بات کا مکلف ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات کے مطابق اپنی بیوی کی اصلاح کی فکر کرے لیکن طریقہ وہ اختیار کرے جو قرآن مجید نے اسے سمجھا یا ہے اور اس کے تمام جزئیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ۔

چنانچہ قرآنی تعلیمات میں واضح احکام موجود ہے ،جن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کس صورت میں بیوی کو مارنا جائز ہے اور کس صورت میں نہیں ؟اور اگر مارنے کی اجازت ہے توکس حد تک اور اس کا انداز کیا ہو گا ؟ الغرض قرآن حکیم نے اس پہلو کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے تاکہ امت مسلمہ کی عورتوں پر ظلم کے پہاڑ نہ توڑے جائیں ۔ چنانچہ قرآن مجید میں عورت کو مارنے کے حوالے سے درج ذیل آیت کریمہ میں ترتیب وار احکام جود ہیں ،ارشاد ربانی ہے:

---

[11] السجستانی، ابو داود سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود،، المکتبۃ العصریۃ، صیدا- بیروت، حدیث نمبر:۲۱۴۶، جلد ۳ ص ۲۴۵؛ سنن الدارمی، باب فی النھی عن ضرب النساء، ج۳، ص ۱۴۲۴، رقم الحدیث:۲۲۶۵؛ مسند الشافعی، ج۱، ص ۲۶۱؛ مسند الحمیدی، رقم الحدیث: ۹۰۰؛ ج ۲، ص ۱۲۵

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ[12]

اور جن بیویوں کی جانب سے حکم عدولی کا تمہیں ڈر ہو تو انہیں وعظ و نصیحت کر اور ان سے بستر الگ کر لواور پھر انہیں مارو۔

مذکورہ نصوص سے اس بات کی وضاحت ہوگئی ہے کہ عام حالات میں بیوی کو مارنا جائز نہیں ۔البتہ اگر واقعتا اس میں کوئی خرابی موجود ہے تو اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے لیکن وہ اصلاح کیسے کی جائےاس کے بارے میں قرآن مجید کی درج بالا آیت کریمہ میں تین درجے بیان ہوئے ہیں: وہ یہ ہیں:

۱۔ سب سے پہلا درجہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی میں کوئی غلطی دیکھی تو پہلے اسے اچھے طریقے سے سمجھائے چاہے نرمی خوش اخلاقی ، پیار و محبت سے اس سے گفتگو کرے ۔کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے کہ "فَعِظُوْھُنَّ " یعنی " انہیں نرمی سے سمجھاو "تاکہ نصیحت ہی کی وجہ سے وہ اپنی غلطی سے باز آئے۔

۲۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو جائےیعنی نصیحت کام نہ آئے پھر اس کے ساتھ سونا چھوڑ دو ، اس کا بستر علیحدہ کرنا چاہِے ۔کیونکہ ارشاد گرامی ہے کہ

یعنی اگر وہ باز نہ آئیں تو انہیں ان کے بستر الگ کر دو " تاکہ تنہائی میں اپنے آپ کو محسوس کریں ،اور یہ جسمانی طور پر فراقت کی مشقت میں مبتلاء ہو جائیں ۔اب اگر عقل سلیم اور فہم صحیح ہوتو وہ باز آجائیں گی۔

۳۔ البتہ اگر یہ علیحدگی بھی کام نہ آئے پھر آخری آخری درجہ یہ ہے کہ اسے ہلکا پھلکا مار لو ۔ اور یہ آخری درجہ ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے

"وَاضْرِبُوْھُنَّ "یعنی اُنہیں مارو"۔[13]

---

[12] النساء۴:۳۴

[13] النساء۴:۳۴

تاہم یہ مار کیسی ہونی چاہیے ؟ اس کی تحدید بھی شریعت نے مقرر کی ہے ، کیونکہ مارنے کی پھر بھی کھلی چھوٹ شریعت نے نہیں دی۔ بلکہ اس کی حدود و قیود بیان کی ہیں ۔خطبہ حجۃ الوداع میں رسول کریم ﷺ نے بہت ساری نصیحتیں کیں ،جن میں سے یہ بھی نصیحت تھی کہ عورتوں کو نہ مارو۔ اگر اس کے بغیر کوئی چارہ باقی نہ رہے ، پھر ایسا مارو کہ اس میں تکلیف

دینا مقصود نہ ہو ، بلکہ اصلاح مقصود ہو اور وہ مار ایسی نہ ہو کہ جس سے نشان پڑ جائے ۔جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

فإنْ فعَلْنَ ذلک فاضرِبو هنَّ ضَربًا غيرَ مُبَرِّحٍ[14]

"اگر وہ عورتیں نا فرمانی کا ارتکاب کریں تو انہیں مار دو ایسی مار ہو جس سے نشان نہ پڑ جائے "

مذکورہ نصوص سے یہ معلوم ہوا ہے کہ شوہر اپنی قوامیت کا غلط فائدہ اٹھا کر اپنی بیوی کو نہیں مارنا چاہیے ، کیونکہ اسلامی قانون میں عورت پر ظلم کرنا برداشت نہیں کیا جاتا جیسا کہ مذکورہ روایت میں بھی صحابہ کرام کو اللہ تعالی نے عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے البتہ اگر واقعی کسی ایسی غلطی کا خدشہ ظاہر ہو جائے ، جس کی اصلاح شوہر ضروری سمجھتا ہو ،تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ درج بالا قرآنی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے اصلاح کی کوشش کرے تاکہ افراط و تفریط کا شکار نہ ہو ۔

عورت کی ملازمت اور حل:

عصر حاضر کے خاندانی نظام میں ایک مسئلہ عورت کی ملازمت کا ہے ۔ بعض گھرانوں میں عورت کا ملازمت کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے عام طور پر چپقلش اور دوریاں پیدا ہوتی ہیں اور بعض دفعہ عورت کی بذات خود یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ ملازمت اختیار کرے، بحر حال جو بھی صورت ہو اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو اسلام میں کسی بھی عورت کے ناتواں کندھوں پر ملازمت اور پیسے کمانے کا بوجھ نہیں ڈالا گیا ہے ، بلکہ عورت جب تک شادی نہ کر لے تب تک اس کا نان و نفقہ اور خرچہ ترتیب وار

---

[14] البقرہ،۲:۲۳۳

اس کے والد ، بھائی اور چچا وغیرہ پر ہے، البتہ جب شادی کی بندھن میں آجائے پھر اس کا سارا خرچہ شوہر کے ذمہ واجب ہے ۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا خود ملازمت کی خواہش کرنا یا شوہر کی طرف سے ملازمت پر مجبور کرنا عام حالات میں درست نہیں ، کیونکہ اسلامی خاندانی نظام میں یہ جو ذمہ داریوں کی تقسیم ہوئی ہے اس کا پیش نظر یہ تھا کہ عورت داخلی محاذ کی تقویت کو ترجیح دے اور اسے مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے یکسو رہے اس لیے کہ خاندان کے تمام اخراجات مرد کے ذمہ ڈال دیئے گئے ۔اورعورت نان نفقہ کی ذمہ دادی سے بری الذمہ قرار دی گئی ۔ البتہ اگر واقعی ہی اس کی مجبوری ہووہ ضرورت مند ہو تو پھر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر یہ ہے کہ وہ خود کمائی کرے ، مثلا اس کا شوہر انتقال کر جائے یا شوہر معذور اور محتاج ہو ، اور کوئی اسی طرح کی صورت حال پیش آئے کہ شوہر کی کمائی سے گھر کا نارمل خرچہ بھی برداشت نہیں ہوتا ، دوسرا کوئی ذریعہ معاش بھی نہ ہو پھر شریعت مطہرہ ملازمت یا کاروبار کرنے کی اجازت درج ذیل چند شرائط کے ساتھ دیتی ہے:

عورت کی ملازمت کی شرائط:

شریعت مطہرہ میں عورت کو مخصوص حالات میں ملازمت یا کاروبار کرنے کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ درج ذیل شرائط موجود ہوں:

شوہر کی اجازت ہو :

اگر کسی عورت کا شوہر زندہ ہو اوراس کا ذریعہ معاش ایسا نہ ہو جس سے گھر چلایا جاسکے یا کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے وہ کمانے کے قابل نہ ہو تو اس صورت میں اس کی بیوی کاروبار یا ملازمت اختیار کر سکتی ہے ، بشرطیکہ شوہر اس کی اجازت دے ، کیونکہ خاندانی نظام میں عورت کی بحیثیت بیوی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی فرمانبردار رہے ۔یہی قرآن مجید کا بھی فیصلہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ[15]

[15] النساء، ۴:۳۴

"چنانچہ نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں"

لہذااس سے معلوم ہوا کہ شوہر کی اجازت کو حاصل کرنا کاروبار یا ملازمت کے لیے ضروری ہے ۔

گھر اور بچوں کی تربیت متاثر نہ ہو:

شریعت مطہرہ نے عورت کی ذمہ داریاں گھر کی چار دیواری تک محدود قرار دی ہیں، جو در حقیقت اس کی عزت و ناموس اور آبرو کا لحاظ رکھا گیا ہے ، لہذا اگر ملازمت یا کاروبار کے سبب سے اس عورت گھریلو ذمہ داریوں یا بچوں کی تعلیم و تربیت اور نگرانی میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو ،پھر حالت مجبوری اس کی اجازت ہے کہ وہ کاروبار یا ملازمت اختیار کرے ، ورنہ نہیں کیونکہ حدیث مبارکہ میں میں عورت کو اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی پرورش و نگرانی کا ذمہ دار مقرر فرمایا ہے ، جیسا کہ ارشاد گرامی ہے :

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ» : كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ[16] «

نتیجہ یہ ہے کہ اگر گھر کی نگرانی اور بچوں کی تربیت وغیرہ متاثر ہورہی ہے پھر ملازمت کرنا درست نہیں ، البتہ اگر ایسی کوئی صورت پیش نہ آئے تب ملازمت یا کاروبار میں عورت کے لیے حصہ لینا درست ہے۔

پردہ کا التزام ہو:

آج کل کے پر فتن دور میں عورت کے لیے لازمی ہے کہ اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر نہ نکلے۔ البتہ اگر مجبوری کی وجہ سے نکلنا پڑے پھر مکمل طور پر با پردہ ہو کر نکلے، اور بڑی چادر سے اپنے آپ کو ڈھانپ لے،یا برقع اوڑھ کر گھر سے نکلے اور ساتھ ہتھیلی اور چہرہ۔ فرمان الٰہی ہے :

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا[17]

---

[16] البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، الجامع الصحیح البخاری، حدیث نمبر؛۲۷۵۱، جلد۴، ص5، دار طوق النجاۃ، الاولی ۱۴۲۲ھ۔

[17] الاحزاب، ۵۹:۳۳

اے نبی ! اپنی بیویوں ،بیٹیوں اور مومن عورتوں کو فرما دیجیے کہ اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے منہ پر ڈالے رکھیں یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ پہچانی جائیں اور نہ ستائی جائیں اوراللہ بخشش والا مہربان ہے ۔

مذکورہ آیت مبارکہ میں ازواج مطہرات سمیت تمام مؤمن خواتین کو یہ حکم دیا گیا کہ جب گھر سے باہر نکلیں تو اس وقت ایک بڑی چادر اوڑھ کر اپنے آپ کو اس سے ڈھانپ لے ، تو معلوم ہوا کہ آج کل کے فتنے کے دور میں پردہ کرنا عورت کے لیے اور بھی زیادہ ضروری ہے ، بلکہ ہتھیلی اور چہرہ کے پردے کا اہتمام بھی ہو ، چنانچہ مذکورہ آیت کریمہ کی تشریح میں مفتی محمد شفیع نے تحریر فرمایا ہے کہ فتنے کے دور میں آئمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت باپردہ ہو کر نکلے، اس کے بغیر اس کے لیے نکلنا جائز نہیں ۔

مفتی محمد شفیع معارف القرآن میں اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں:

"ائمہ اربعہ میں سے امام مالک، اما م شافعی ، اما م احمد بن حنبل تین اماموں نے تو پہلا مذہب اختیار کرکے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی مطلقا اجازت نہیں دی ، خواہ فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو ،امام اعظم ابو حنیفہ نے اگرچہ دوسرامسلک اختیار فرمایا مگر خوف فتنہ کا نہ ہونا شرط قرار دیا اور چونکہ عادتا یہ شرط مفقود ہے اس لیے فقہاء حنفیہ نے بھی غیر محرموں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت نہیں دی۔[18]

اس پر فتن دور میں مذاہب اربعہ کے نزدیک پردہ کرنا ضروری ہے ، تاہم اس طور پر پردے کا اہتمام ہو کہ اس میں ہتھیلی اور چہرہ بھی ظاہر نہ ہو ۔

غیر مردوں سے اختلاط نہ ہو :

جس طرح عورت کے لیے ملازمت کے وقت پردہ کرناضروری ہے اسے طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نا محرم مردوں سے اختلاط بھی نہ کرے ، کیونکہ نا محرم مردوں کے ساتھ اختلاط کرنا عورت کی عزت و ناموس کے لیے خطرے کی گھنٹی

---

[18] شفیع، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن کراچی طبع جدید،۲۰۰۸،۷، ۲۱۸

ہے جو عورت کے لیے زہر قاتل ثابت ہو سکتا ہے ، ارشاد رسول ﷺ ہے جب کبھی اجنبی مرد اور عورت آپس میں ملتے ہیں تو تیسرا ان دونوں کے درمیان شیطان ہوتا ہے ،[19]

چنانچہ ارشاد گرامی ہے :

لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ

کوئی اجنبی مرد اور عورت ملتے ہیں تو ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے ۔

اسی طرح دور نبوی ﷺ میں مدینہ منورہ کی گلی میں اچانک عورتوں کا مردوں کے ساتھ اختلاط ہوگیا تو جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے سخت رد عمل کا اظہار کیا،اور عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم پیچھے ہو جاؤ ، تمہارے لیے راستہ پر قبضہ کرنا درست نہیں ، تم راستہ کے کنارے پر چلو ، راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد عورتیں دیواروں کے ساتھ بالکل چپک کر چلتی تھی، یہاں تک کہ بعض دفعہ ان کی چادریں دیوار کے ساتھ الجھ جاتی تھی ۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو اجنبی مردوں کے ساتھ اختلاط کرنے سے بچنا شرعی قوانین کی رو سے ضروری ہے ۔مذکورہ نصوص سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جس طرح غیر محرم کے ساتھ عورت کا اختلاط ناجائز ہے اسی طرح اس کے ساتھ اس کی خلوت بھی جائز نہیں۔البتہ فقہائے کرام نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ جہاں پر فتنے ظاہر ہونے کا خوف نہ ہو، وہاں پر کوئی حائل یا محرم ہو، اور یا اس کے علاوہ کوئی قدرت رکھنے والی خاتون موجود ہو پھر اگر کوئی اختلاط ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں :

---

[19] الترمذی ، محمد بن عیسیٰ ، ابو عیسیٰ ، الجامع الصحیح سنن ، الترمذی ، دار الاحیاء التراث العربی ،بیروت،حدیث نمبر : ۱۱۷۱، ۳، ۴۶۶؛ اعتلال القلوب للخرائطي،أبو بكر محمد بن جعفر بن محمد بن سهل بن شاكر الخرائطي السامري (م : 327ھ)، نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة الرياض،الطبعة: الثانية، 1421ھ 2000م، ج1،ص 125؛ مسند أبي داود الطيالسي،ج1،ص 34، رقم الحديث:31؛ مسند الحميدى، ج1،ص 166، رقم الحديث: 32؛ مسند احمد ، رقم الحديث: 177ج1،ص 311،

وَالَّذِي تَحَصَّلَ مِنْ هَذَا أَنَّ الْخَلْوَةَ الْمُحَرَّمَةَ تَنْتَفِي بِالْحَائِلِ، وَبِوُجُودِ مَحْرَمٍ أَوْ امْرَأَةٍ ثِقَةٍ قَادِرَةٍ[20]

بارعب گفتگو :

اگر عورت کو اپنی ذمہ داریاں سر انجام دینے کے اوقات میں کسی نا محرم سے گفتگو کرنے کی نوبت آئے ،توشریعت مطہرہ نے اس کے لیے یہ اصول وضع فرمائے کہ وہ نا محرم سے گفتگو کے دوران نرمی اور شیرینی اختیار نہ کرے ۔ بلکہ گفتگو میں متانت اور سنجیدگی ہونی چاہیے ، چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

يَانِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا[21]

اے نبی کی بیویوں ! تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو۔ اگر اللہ سے ڈرتی ہو تو نرم انداز میں بات نہ کرو کہ طمع کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہے ۔بلکہ عمدہ انداز میں گفتگو کرو۔

آیت کریمہ میں ازواج مطہرات سے یہ خطاب ہے کہ گفتگو میں نرمی اختیار نہ کرے تو امت کی دیگر عورتوں کو بطریق اولی اس سے بچنا چاہیے اور ان کو نا محرم مرد کے ساتھ بات کرنے میں نرم اور نازک لہجہ اختیار کرنے کے بجائے سنجیدگی والا لہجہ اختیار کرنا چاہیے۔

گھر کی خدمت اوربیوی کا کردار :

آج کے دور میں گھریلو مسائل میں ایک مسئلہ عورت سے خدمت لینے کا ہے۔ کیونکہ بعض خاندانی نظام میں شوہر اس سے گھر کی خدمت لیتا ہے اس کی بیوی خدمت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی ۔جس کے سبب زوجین میں جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں ۔ اس طرح کشیدگیوں سے بچنے کے لیے عصر حاضر میں شریعت کے اصول کو مدنظر رکھنا ضروری ہیں تاکہ عورت سے گھر کی خدمت لینے میں جو لوگ افراط و تفریط کے شکار ہوئے ہیں وہ اس سے بچ جائے ، کیونکہ بعض علاقوں میں یہاں تک بھی عورت کی ذمہ

---

[20] ابن عابدین، علامہ محمد امین الشہیر بابن عابدین، حاشیۃ رد المختار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار فقہ ابوحنفیہ، ٦، ٣٦٨، دار الفکر بیروت،

[21] الاحزاب، ٣٣: ٣٢

داری سمجھی جاتی ہے کہ اگرروٹی میں نمک زیادہ ڈل گیا ہو تو اس کی وجہ سے عورت کو مارا پیٹا جاتا ہے، گویاکہ عورت گھر کی نوکرانی سمجھی جاتی ہے، اسی طرح ساس وسسر کی خدمت بھی عورت لازم تصور کی جاتی ہے ۔ حالانکہ رسول اکرم ﷺ کے فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے ذمہ کھانے پینے کی چیزیں تیار کرنا اور گھر کی یا ساس اور سسر کی خدمت لینا وغیرہ عورت کے ذمہ نہیں ہے ، چنانچہ ارشاد گرامی ہے :

أَلَا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ، لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَلِكَ،[22]

خبردار!عورتوں سے اچھا سلوک کیا کرو،اس لیے کہ وہ تمہارے ہاں گھروں میں مقید رہتی ہیں ان کے علاوہ شرعا تمہارا ان پر کوئی مطالبہ نہیں"۔

عورت پر یہ لازم ہے کہ وہ گھر سے شوہر کی اجازت کے بغیر نہ نکلے ۔اور شوہر کو شرعا یہ اختیار حاصل ہے کہ اسے باہر نکلنے سے منع کرے ،باقی اس ے کھانا پینا یا دیگر گھر کی خدمات لینا شرعا شوہر کو اختیار حاصل نہیں ہے اور اس کی بیوی کی شرعا یہ ذمہ داری بھی نہیں ہے

چنانچہ فقہائے کرام نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی عورت میکے آنے سے پہلے والدین کے گھر پرروٹی سالن وغیرہ پکاتی تھی ، اب وہ شوہر کے گھر پر نہیں پکاتی، تو اب شوہر اس سے یہ خدمت قضاء تو نہیں لے سکتا، البتہ دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ عورت یہ خدمت سرانجام دینا شروع کر دے یعنی اخلاقا اس کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ کھانا پکائے ۔

تاہم اگر یہ عورت کسی ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے کہ جس میں نوکر وغیرہ سے خدمت لی جاتی تھی یعنی اس نے والدین کے گھر پر بھی کھانا نہیں پکایا تو شوہر کے لیے ضروری ہے اس کے لیے تیار کھانا مہیا کرے، اب کھانا تیار کرنے کی عورت کی قضاء ذمہ داری بنتی ہے اور نہ دیانۃ۔

---

[22] ابوعیسی، محمد بن عیسی ابوعیسی الترمذی السلمی، الجامع الصحیح سنن الترمذی ۴۶۷، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت۔، حدیث نمبر:۱۱۶۳، ۳

مذکورہ نصوص سے معلوم ہوا کہ گھر کی خدمت عورت کی اگرچہ شرعا ذمہ داری تو نہیں ہے لیکن حسن معاشرت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق وہ گھر کی خدمت سرانجام دے ،کیونکہ خاندانی زندگی میں میاں بیوی کا تعلق پر سکون ، محبت والا ہونا چاہیے ،یہ تعلق خشک قانون سے نہیں نبھایا جاسکتا، لہذا اگر خوشی اور رضامندی سے تقسیم کار اس طرح ہو جائے کہ گھر سے خارجی کام شوہر کے ذمہ ہو اور اندرون خانہ کی ذمہ داریاں عورت سرانجام دے ،اور یہی تقسیم حضور ﷺ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرہ اور مولا علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان ہوئی تھی ،چنانچہ مولا علی نے اپنی محترمہ ماں کو مخاطب کرکے فرمایا:

قَالَ عَلِيٌّ لِأُمِّهِ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَسَدٍ " :اكْفِي فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ الْخِدْمَةَ خَارِجًا :سِقَايَةَ الْمَاءِ وَالْحَاجَةَ, وَتَكْفِيكَ الْعَمَلَ فِي الْبَيْتِ:الْعَجْنَ وَالْخُبْزَ وَالطَّحْنَ "[23]

"حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد سے فرمایا کہ میں فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے لیے پانی بھر کر لایا کروں گا ، اور اس کی باہر سے خدمت کروں گا، اور وہ آپ کے لیے گھر کے کام کاج کرے گی ،یعنی آٹا گوندھنا ،روٹی پکانا اور وغیرہ" ۔

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ خاندانی زندگی خشک قانون سے پر سکون اور آرام دہ نہیں بن سکتی ، بلکہ حسن معاشرت اور تعاون اور معاشرت سے خوشگوار اور پر سکون بن سکتی ہے ،اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمۃ الزہرہ نے آپس میں گھریلو معاملات کو تقسیم کر رکھے تھے یعنی باہر کے کام کاج حضرت علی سرانجام دیا کرتے تھے اور اندرون خانہ کے کام حضرت فاطمۃ الزہر سر انجام دیتی تھیں ۔

خاندانی نظام کی اصلاح کیسے کی جاسکتی ہے:

خاندانی نظام کی اصلاح ایک پیچیدہ اور کثیر جہتی کام ہے جس کے لیے مختلف سماجی، ثقافتی اور اقتصادی عوامل پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ خاندانی نظام تمام معاشروں اور ثقافتوں میں مختلف ہوتا ہے، اس لیے اصلاح کی کسی بھی

[23] ابو بکر بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن خواستی العبسی، المصنف لابن ابی شیبہ فی الاحادیث والاثار، مکتبہ الرشد ،الریاض۔ حدیث نمبر: ۳۴۵۰۲، ۷، ۱۰۱

کوشش کو ہر کمیونٹی کے مخصوص تناظر اور ضروریات کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ یہاں کچھ عمومی اصول اور حکمت عملی ہیں جن پر خاندانی نظام کی اصلاح کے عمل میں غور کیا جا سکتا ہے:

تعلیم اور آگاہی:

صحت مند خاندانی حرکیات، مواصلات کی مہارتوں، اور والدین کے مثبت طریقوں کے بارے میں آگاہی اور تعلیم کو فروغ دیں۔ خاندانوں کو وسائل اور مدد فراہم کریں تاکہ ان کو چیلنجوں کو مؤثر طریقے سے نیویگیٹ کرنے میں مدد ملے۔

صنفی مساوات:

خاندانی ڈھانچے کے اندر صنفی مساوات کے حصول کے لیے کام کریں۔ شراکت داروں کے درمیان کردار اور ذمہ داریوں کی مساوی تقسیم کی حوصلہ افزائی کریں، روایتی صنفی اصولوں کو چیلنج کریں، اور انفرادی انتخاب کے احترام کو فروغ دیں۔

ورک لائف بیلنس:

ایسی پالیسیوں کی وکالت کریں جو کام کی زندگی کے توازن کو سپورٹ کرتی ہیں، جیسے کام کے لچکدار اوقات، والدین کی چھٹی، اور بچوں کی سستی دیکھ بھال۔ اس سے خاندانوں پر بوجھ کو کم کرنے اور بہتر تعلقات اور فلاح و بہبود کو فروغ دینے میں مدد مل سکتی ہے۔

مالی اعانت:

ایسے اقدامات کو نافذ کریں جو خاندانوں کو مالی مدد فراہم کرتے ہیں، خاص طور پر وہ لوگ جو معاشی مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس میں سماجی تحفظ کے جال، سستی رہائش تک رسائی، اور واحد والدین کے خاندانوں کو ٹارگٹڈ مدد شامل ہو سکتی ہے۔

دماغی صحت کی معاونت:

اس بات کو یقینی بنائیں کہ ذہنی صحت کی خدمات خاندانوں کے لیے قابل رسائی اور سستی ہوں۔ دماغی صحت کے چیلنجوں سے نمٹنا خاندانی حرکیات اور مجموعی صحت کو بہتر بنا سکتا ہے۔

گھریلو تشدد کو روکیں:

گھریلو تشدد کے خلاف قوانین تیار کریں اور ان کا نفاذ کریں، اور متاثرین کو مدد اور وسائل فراہم کریں۔ تعلیم اور آگاہی مہم بھی ایسے واقعات کی روک تھام میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

والدین کے پروگرام:

والدین کے پروگرام پیش کرتے ہیں جو مثبت نظم وضبط، مؤثر مواصلات، اور جذباتی مدد پر توجہ مرکوز کرتے ہیں. یہ پروگرام والدین کو اپنے بچوں کے ساتھ صحت مند تعلقات استوار کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔

جامع پالیسیاں:

ایسی پالیسیاں بنائیں جو مختلف خاندانی ڈھانچے کو پہچانیں اور ان کی حمایت کریں، بشمول واحد والدین کے خاندان، ہم جنس جوڑے، اور توسیع شدہ خاندان۔ شمولیتی تعلق اور سماجی ہم آہنگی کے احساس کو فروغ دیتی ہے۔

کمیونٹی سپورٹ:

کمیونٹی سپورٹ نیٹ ورکس کو مضبوط بنائیں جو مدد، رہنمائی اور خاندانوں سے تعلق کا احساس فراہم کر سکیں۔ اس میں کمیونٹی سینٹرز، مینٹرشپ پروگرام، اور سپورٹ گروپس شامل ہو سکتے ہیں۔

اسکول کی شمولیت:

خاندانی بہبود کو فروغ دینے میں اسکولوں کی شمولیت کی حوصلہ افزائی کریں۔ اسکول کے پروگراموں میں خاندان پر مبنی تقریبات، والدین کے لیے ورکشاپس، اور مشاورتی خدمات شامل ہو سکتی ہیں۔

انٹر جنریشنل بانڈز:

بوڑھے اور چھوٹے خاندان کے ممبران کے درمیان نسل در نسل روابط اور باہمی تعاون کی حوصلہ افزائی کریں۔ یہ بانڈز حکمت اور جذباتی مدد کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

ٹیکنالوجی اور مواصلات:

خاندانوں میں ٹیکنالوجی کے ذمہ دارانہ استعمال کو فروغ دیں۔ آف لائن اور آن لائن دونوں خاندانوں کے درمیان کھلے اور صحت مند رابطے کی حوصلہ افزائی کریں۔

تحقیق اور تشخیص:

تحقیق اور تشخیص کے ذریعے خاندانی نظام کی اصلاح کے اقدامات کی تاثیر کا مسلسل جائزہ لیں۔ یہ ثبوت کی بنیاد پر پالیسیوں اور طریقوں کو بہتر بنانے میں مدد کرتا ہے۔

یاد رکھیں کہ خاندانی نظام کی اصلاح ایک جاری عمل ہے اور اس کے لیے حکومتی اداروں، کمیونٹی تنظیموں، ماہرین تعلیم، صحت کی دیکھ بھال فراہم کرنے والوں اور خود خاندانوں کے درمیان تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاندانی بہبود اور سماجی ہم آہنگی کے لحاظ سے مثبت نتائج حاصل کرنے کے مقصد کے ساتھ ثقافتی تنوع کے لیے حساسیت اور احترام کے ساتھ اصلاحات سے رجوع کرنا بہت ضروری ہے۔

حاصلِ کلام:

انسانی معاشرے کی تشکیل میں خاندانی نظام کی حیثیت اس بنیادی اینٹ کی سی ہے جس پر تمدن و معاشرے کی عظیم الشان عمارتیں تعمیر ہوئی ہے کیونکہ سوسائٹی کی بقاء اس کے بغیر صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے ،البتہ اس نظام کو پروان چڑھانے میں میاں بیوی بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ، اس لیے ان کا کردار بھی ایسا ہونا چاہیے جو قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہو، تاکہ خاندانی نظام تعمیر ترقی کی طرف گامزن ہوسکے ۔ اب اگر مذکورہ ذمہ داریوں قرآنی تعلیمات کے مطابق نبھایا جائے تو پھر ان کے ثمرات بھی ایک پرسکون اور خوشگوار گھرانے کی صورت میں پیش آئیں گے ۔لیکن اگر خدانخواستہ ان سے غفلت برتی گئی پھر خاندانی نظام بگاڑ اور فساد کے باعث غم اور پریشانیوں کا شکار رہے گا ۔ اسی طرح عصر حاضر کے درپیش گھریلو مسائل مثلا عورت پر تشدد کا مسئلہ ،عورت کی ملازمت کا مسئلہ اور عورت سے گھر کی

خدمت کا مسئلہ کے حل کی طرف حاص کر توجہ دینی چاہیے ،تاکہ ان کا بھی ذکر کردہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل تلاش کیا جائے تب خاندانی نظام آئے روز کی لڑائیاں اور جھگڑوں سے خلاصی پا کر ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا ۔

خاندانی نظام معاشرے کا ایک بنیادی ادارہ ہے۔جس کی کامیابی اور ناکامی میاں بیوی پر موقوف ہیں۔ خاندانی نظام کے اندر بگاڑ پیدا کرنے والے در پیش مسائل پر غوروفکر کرنے کے لیے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں حل ہو جائیں ۔

خاندانی نظام کے گھریلو مسائل کا حل اور اس کی تعمیر و ترقی کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی کے رشتہ میں قدر و احترام ،محبت و راحت ،ہم آہنگی اور تعاون کا جذبہ ہو۔ خدا شناسی اور خدا ترسی ،علوم شرعیہ کی واقفیت ،مطالعہ سیرت ،اخلاقی و دینی تربیت ،اسلامی اقدار و ثقافت کی پیروی ،مغربی تہذیب کی تردید ، فرائض ذمہ داریوں سے آگہی ،تعلیم نسواں و تعلیم بالغان کی سعی ،باہمی رضامندی اور مشاورت ،معاشی اور تمدنی مسائل کی فراہمی ،صبر و تحمل ،حسن سلوک اور حسن معاشرت ،ایثار اور درپیش مسائل میں شرعی رہنمائی لینا وغیرہ ، مذکورہ تجاویز پر عمل پیرا ہونے سے ایک اچھا خاندان تشکیل پائے گا۔

تجاویز و اقدامات:

تعلیم و تربیت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے اس احساس کو اجاگر کیا جائے کہ بچوں کی تعلیم تربیت ،نگہداشت اور گھریلو کام کاج ایک انتہائی اعلی اور معزز مصروفیت ہے ، جس کی ہر سطح پر قدر کی جانی چاہیے۔

گھریلو ذمہ داریوں کو پیداواری عمل قرار دیا جائے اور ان امور کی سر انجام دہی کے لیے باقاعدہ تربیت فراہم کی جائے ۔

تعلیم و تربیت میں اس بات کو بھی شامل کیا جائے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اچھے مرد وہی ہوتے ہیں جو اپنی اہلیہ کے ساتھ اچھے اور گھریلو امور کی انجام دہی میں معاون ثابت ہوتے ہیں ،اور اچھی اور کامیاب بیویاں وہی ہوتی ہیں جو شوہر کے معاملات کو سمجھنے اور مشکلات کو کم کرنے میں مدد دیتی ہیں۔

ذرائع ابلاغ میں جس طرح گھریلو امور میں انجام دہی کو حقیر اور کمتر دکھایاجارہا ہے، اسے روکا جائے ۔

تحقیق اور جائزوں کے ذریعے گھریلو امور کی معاشی حیثیت کوواضح کیا جائے تاکہ عام افراد ان کی اہمیت سے اچھی طرح آگاہ ہو سکیں ۔مرد کاگھریلوامور میں خواتین کاہاتھ بٹانا یاکسی کام میں مدد کرنااس بات کوحقیر نہ سمجھا جائے کیونکہ اسلام میں یہ تمام معاملات ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی گھریلو کام کاج میں ازواج مطہرات کاہاتھ بٹاتے تھے اور اپنے کام خود کیا کرتے تھے۔